بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فروری / مارچ 2016

ربیع الاول / ربیع الثانی 1437 ھ

النور انٹرنیشنل

عالمگیر مرکز احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، ختم نبوت کی داعی واحد جماعت، کا ترجمان

حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) آخری نبی ہیں اور اُن کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا، نہ نیا نہ پُرانا

حضرت مرزا غلام احمد کا دعویٰ مجدد صد چاردہم تھا نبوت نہیں

مدیران

شاہد عزیز

مسز سمیرا احمد

فہرست مضامین

1: اعلانات و خبریں	۱
2: کلامِ امام۔(فرمودات حضرت مسیح موعودؑ)	۲
3: وفات و نزول مسیح۔ حضرت مولانا محمد علیؒ	۵
4: حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسلمانوں کے سامنے کیا نصب العین رکھا۔ حضرت ڈاکٹر بشارت احمدؒ	۷

نشریات

وقت بمطابق برطانوی ٹائم

www.virtualmosque.co.uk پر

پروگرام و اوقات

جمعہ - انگریزی	13:00
درس - بعد از جمعہ انگریزی	13:30
ماہانہ اجلاس - انگریزی - ہر ماہ پہلی اتوار	15:00
عیدین - انگریزی	11:00

پنجاب ریڈیو

عیدین - پنجابی 13:00 سکائی چینل نمبر 130

سکائپ

تقاریر اور مباحثہ - ہر اتوار 09:00

سکائپ آئی ڈی Lahori-Ahmadi

عالمگیر (ذیلی مرکز)

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

پتہ برائے خط و کتابت

15 Stanley Ave, Wembley, UK HA0 4JQ

www.virtualmosque.co.uk

ای میل: info@aaiil.uk

اِسلام انسانیت سے محبت سِکھاتا ہے۔

اعلانات اور خبریں

انگلستان

کچھ تکنیکی وجوہات کی وجہ سے ہم مارچ میں معمول کے رسالہ جات شائع نہیں کر سکے۔ ادارہ معذرت خواہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ شمارہ فروری اور مارچ کے لئے شائع کیا جارہا ہے۔

کلامِ امام

باوانانک کا دفاع

پنجاب میں غالباً ایسا شخص کوئی بھی نہیں ہو گا جو باوا نانک صاحب کے نام سے واقف نہ ہو یا ان کی خوبیوں سے بے خبر ہو۔ اس لئے کچھ بھی ضرورت نہیں کہ ہم ان کی سوانح اور طریق زندگی کی نسبت کچھ مفصل تحریر کریں۔ لہذا صرف اس قدر لکھنا کافی ہے کہ باوا صاحب موصوف ہندوؤں کے ایک شریف خاندان میں سے تھے۔ سن نو سو ہجری کے اخیر میں پیدا ہوئے۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اخلاص رکھتے تھے اس لئے بہت جلد زہد اور پرہیز گاری اور ترک دنیا میں شہرت پا گئے اور ایسی قبولیت کے مرتبہ پر پہنچ گئے کہ در حقیقت ہندوؤں کے تمام گذشتہ اکابر اور کل رشیوں رکھیوں اور دیوتوں میں سے ایک شخص بھی ایسا پیش کرنا مشکل ہے۔ جو ان کی نظیر ثابت ہو۔ ہمارا انصاف ہمیں اس بات کے لئے مجبور کرتا ہے کہ ہم اقرار کریں کہ بیشک باوانانک صاحب ان مقبول بندوں میں سے تھے۔ جن کو خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے نور کی طرف کھینچا ہے۔ اس میں کچھ بھی شبہ نہیں۔ کہ ایک سچی تبدیلی خدا تعالیٰ نے ان میں پیدا کر دی تھی۔ اور حق اور راستی کی طرف ان کا دل کھینچا گیا تھا۔ ان کے وقت میں بہت سے جاہل اور شوریدہ مغز ہندو موجود تھے۔ جو اپنے تئیں جوگی یا بیراگی یا سنیاسی وغیرہ ناموں سے موسوم کرتے تھے۔ اور چھپی بدکاریوں کے سہارے سے رہبانیت کا جھنڈا بہت اونچا کیا ہوا تھا۔ سو باوا صاحب نے اپنی قوم کو یہ بھی اچھا نمونہ دیا کہ انہوں نے جوگی یا بیراگی یا سنیاسی کہلانے سے نفرت کی۔ وہ اس طور کے برہم چرج سے بکلی بیزار تھے۔ جس میں خداداد قوتوں کو ناحق ضائع کر کے الٰہی قانون کو توڑ دیا جائے۔ اسی غرض سے انہوں نے باوجود اپنے کمال فقر اور زہد کے شادی بھی کی تا لوگوں پر ثابت کریں کہ وید کی تعلیم کا یہ مسئلہ ٹھیک نہیں کہ اعلیٰ مرتبہ کا انسان وہی ہے جو برہم چرج یعنی رہبانیت اختیار کرے باوا صاحب نیوگ کے مسئلہ کے بھی سخت مخالف تھے۔ اور وہ ایسے انسانوں کو جو اپنے جیتے جی اپنی منکوحہ پاک دامن کو عین نکاح کی حالت میں اولاد کے لئے یا شہوت فرو کرانے کیلئے دوسروں سے ہم بستر کراویں سخت بے حیا اور دیوث اور ناپاک طبع سمجھتے تھے۔ چنانچہ ان کے پُر برکت اشعار ان باتوں پر شہادت دے رہے ہیں جن کو ہم انشاء اللہ تعالیٰ کسی دوسرے رسالہ میں مفصل تحریر کریں گے۔ اور اس بارے میں تمام عمل ان کا اسلامی تعلیم کے موافق ہے اور یہ دوسری دلیل اس بات پر ہے کہ وہ وید کی تعلیموں سے سخت بیزار تھے۔ اور اسی وجہ سے وہ برہمنوں کے ساتھ ہمیشہ مباحثوں اور مناقشوں میں مصروف رہتے تھے۔ اور کچھ دیانند ہی نے ان کی نسبت بدزبانی نہیں کی بلکہ اس زمانہ میں بھی اکثر نالائق پنڈت ان کے دشمن ہو گئے تھے اور اگر اس زمانہ میں ایک گروہ کثیر باوا صاحب کے ساتھ بھی ہم خیال ہو جاتا تو کچھ شک نہیں کہ ان نزاعوں کا ایک بڑے کشت وخون تک انجام ہوتا۔ اور گو باوا صاحب نہایت شدت کے ساتھ ایسے مباحثوں میں مصروف تھے۔ اور وید کی رسموں ہوم وغیرہ کو نہایت ناچیز خیال کرتے تھے مگر تاہم چونکہ وہ اکیلے تھے لہذا شور وشر کے وقت جاہلوں سے کنارہ کرتے تھے۔ اور یہ امر حق اور واقعی ہے کہ ان کا دل اس الٰہی محبت سے رنگین ہو گیا تھا جو محض فضل سے ملتی ہے نہ اپنے کسب سے۔ ان کو وہ تمام باتیں بری معلوم ہوتی تھیں جو حق او رحقیقت کے برخلاف ہوں۔ ان کا دل محض بناوٹی رسموں اور خود تراشیدہ ریتوں پر راضی نہیں ہوتا تھا۔ اور اس مصفیٰ پانی کے وہ خواہشمند تھے کہ جو حقیقت کے چشمہ سے بہتا اور روحانیت کے رنگ سے رنگین ہوتا ہے اس لئے کبھی وہ ان بیراگیوں اور جوگیوں اور سنیاسیوں پر راضی نہ ہوئے۔ جو محض رسم پرستی اور ایک باطل قانون کی پیروی سے بیہودہ تخیلات میں دماغ سوزی کر کے اپنی اوقات خراب کیا کرتے تھے۔ باوا صاحب بہت زور لگاتے تھے کہ ہندوؤں میں کوئی روحانی حرکت پیدا ہو اور وہ بیہودہ رسموں اور باطل اعتقادوں سے دستکش ہو جائیں۔ اور اسی لئے وہ ہمیشہ برہمنوں کے منہ سے سخت سست باتیں سنتے اور برداشت کرتے تھے۔ مگر افسوس کہ اس سخت دل قوم نے ایک ذرہ سی حرکت بھی نہ کی اور باوا صاحب ہندوؤں کی رفاقت سے اس قدر ناامید ہو گئے کہ ان کو اپنے معمولی سفروں کیلئے بھی دو ایسے ہندو خادم نہ مل سکے کہ ان کے خیالات کے موافق ہوں (یعنی ایک بالا بظاہر

ہندو خاندان میں سے تھا مگر در حقیقت وہ باوا صاحب کی برکت صحبت سے مسلمان ہو چکا تھا۔

پس یہ مقام بھی سوچنے کے لائق ہے کہ کیوں ہندوؤں نے باوا نانک صاحب سے اور باوا نانک صاحب نے ہندوؤں سے انس نہ کیا اور تمام عمر مسلمانوں سے ہی مانوس رہے اور اسلامی ملکوں کی طرف ہی سفر کرتے رہے۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ باوا صاحب ہندوؤں سے قطع تعلق کر چکے تھے۔ کیا ہندوؤں میں اس کی کوئی نظیر مل سکتی ہے کے کوئی شخص ہندو ہو کر اپنے تمام تعلقات مسلمانوں سے قائم کرلے۔

یہ کہنا بھی دشنام دہی سے کچھ کم نہیں کہ باوا نانک صاحب نے اسلامی سلطنت کا عروج دیکھ کر مسلمانوں کے ساتھ مداہنہ کے طور پر میل ملاپ کر لیا تھا۔ کیونکہ مداہنہ ایک نفاق کی قسم ہے۔ اور نفاق نیک انسانوں کا کام نہیں۔ مگر باوا صاحب کی یک رنگی ایسے دلوں پر واضح ہے جس سے ایک فرد بھی انکار نہیں کر سکتا۔ باوا صاحب ایک سیدھے سادے اور صاف دل آدمی تھے۔ اور ایک سچے مسلمان کی طرح ان کے عقائد تھے۔ وید کی تعلیم کی طرح ان کا یہ مذہب نہ تھا کہ تمام روحیں اور اجسام خود بخود چلی آتی ہیں۔ بلکہ انہوں نے اس عقیدہ کا بہت زور سے رد کیا ہے اور ان گرنتھ کو غور سے پڑھنے والے اس بات کو جانتے ہیں کہ ان کا یہ مذہب ہرگز نہیں تھا جو آج کل آریہ لوگ پیش کر رہے ہیں۔ یعنی یہ کہ کل جیو قدیم اور خود بخود چلے آتے ہیں ان کا کوئی خالق نہیں بلکہ باوا صاحب اپنے گرنتھ کے کئی مقام میں بتلا چکے ہیں کہ جو آپ ہی آپ بغیر کسی موجد کی ایجاد کے موجود ہے وہ صرف پرمیشر ہے اور دوسری سب چیزیں اس کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ ایک چیز بھی ایسی نہیں جو اس نے پیدا نہیں کی اس سے صاف کھل گیا کہ باوا صاحب اپنی سچی معرفت کے زور سے ہندوؤں کے ویدوں سے دست بردار ہو گئے تھے۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے باوا صاحب کو وہ روشنی ملی تھی کہ اگر ویدوں کے رشیوں کی نسبت ثابت کرنا چاہیں تو میں سچ سچ کہتا ہوں کہ ایک امر غیر ممکن ہو گا۔ جب ہم سوچتے ہیں کہ باوا صاحب کے گرنتھ میں کیسی کیسی گیان کی باتیں بھری ہوئی ہیں۔ اور کس قدر باریک معارف کی طرف اشارے پائے جاتے ہیں تو اس کے مقابل پر دیانند کی کتابیں ایک مکروہ بھوتنے کی طرح نظر آتی ہیں۔ تو پھر ساتھ ہی اس بات کے تصور سے رونا آتا ہے کہ یہ نالائق ہندو وہی شخص ہے۔ جس نے اپنے پنڈت ہونے کی شیخی مار کر باوا صاحب کو نادان اور گنوار کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ کیا کوئی یقین کر سکتا ہے کہ جس شخص کے منہ سے ایسے گیان اور معارف کی باتیں نکلیں وہ گنوار یا نادان ہے۔ یہ کیسی ناپاکی طینت ہے کہ پاک دل لوگوں کو جھٹ زبان پھاڑ کر برا کہہ دیا جائے۔ آریہ اس بات کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ دیانند صرف ایک جسمانی خیالات کا آدمی تھی۔ اور ان کتابوں کی تاریکی میں مبتلا تھا جن میں ہر طرح کی برائیاں ہیں۔ اور ایک ایسے مذہب کی خاطر جس کی آج تک کوئی خوبی بجز نیوگ اور مخلوق پرستی کے ثابت نہیں ہوئی۔ ناحق بزرگوں اور رمہاتما لوگوں کی نندیا کر کے گذر گیا۔ لہذا کوئی نیک طینت انسان اس کو اچھا نہیں کہتا۔ لیکن باوا نانک صاحب تو وہ شخص تھے جن پر اس وقت بیس لاکھ کے قریب انسان جان فدا کر رہے ہیں (بیس لاکھ خاص لوگ ہیں ورنہ ان کے معتقد تین کروڑ سے کچھ کم نہیں ہوں گے۔ منہ) یہ بات بالکل سچی ہے کہ باوا صاحب کی ذات میں اس قدر خوبیاں اور نیکیاں جمع تھیں کہ دیانند کی ساری زندگی میں ان کی ایک نظیر بھی تلاش کرنا بے فائدہ ہے۔ جس وقت ہم دیانند اور باوا صاحب کی زندگی کا باہم مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ تو ہمیں شرم اور انصاف ہاتھ پکڑ کر روک دیتے ہیں کہ کس کا کس کے ساتھ مقابلہ کیا جاتا ہے۔ دیانند کی سوانح تو وہی سچی معلوم ہوتی ہے جو پچھلے سالوں میں برہموں صاحبوں نے شائع کی تھی جس کے لکھنے سے بھی ہمیں شرم آتی ہے لیکن باوا صاحب تو حق اور سچائی سے بھرپور معلوم ہوتے ہیں۔ پھر نہایت ظلم ہے کہ ایک تہی باطن شخص ان کی تحقیر اور توہین میں بڑھتا چلا جائے۔ کیا ہر یک سچے معتقد کو اس مقام میں غیرت مندی دکھلانا ضروری نہیں۔ کیا اب باوا صاحب باوجود لاکھوں فدا شدہ سکھوں کے غریب اور اکیلے رہ گئے۔ کیا کسی کو ان کی پاک عزت کے لئے جوش نہیں بیشک جوش ہو گا مگر اب تک باوا صاحب کے غلاموں کو ان ناپاک الفاظ کی خبر ہی نہیں۔ دیانند کا یہ کہنا کہ باوا صاحب وید کو نہیں مانتے بلکہ جابجا اس کی نندیا کرتے ہیں۔ عجیب بیوقوفی ہے کیونکہ جبکہ باوا صاحب نے اپنی روشن ضمیری اور اپنے گیان سے معلوم کر لیا کہ وید کچھ بھی چیز نہیں تو کیوں وہ ناراستی کی راہ اختیار کرتے۔ وہ نعوذ باللہ دیانند کی طرح جہالت اور بخل کی تاریکی میں مبتلا نہ تھے اور نہ ہونا چاہتے تھے۔ خدا نے ان کو اس پاک کلام کی برکت سے جو چولا صاحب پر لکھا ہوا اب تک پایا جاتا ہے وہ علم عطا کیا تھا جس سے دیانند بے نصیب آیا اور بے نصیب ہی گیا۔ باوا صاحب اپنا پاک چولا وصیت نامہ کے طور پر اپنی یادگار چھوڑ کر ایک سچا اور حقیقی پیغام دنیا کو پہنچا گئے۔ اب جس کی آنکھیں دیکھ سکتی ہیں وہ دیکھے اور جس کے کان

سن سکتے ہیں وہ سنے۔ باوا صاحب کی تمام باتوں کا مخرج وہی نور تھا۔ جس کو وہ ایک سوتی کپڑے پر قدرتی حرفوں سے لکھا ہوا حق کے طالبوں کے لئے چھوڑ گئے۔ درحقیقت وہی آسمانی چولا قدرت کے ہاتھ کا لکھا ہوا ازلی ھادی کے فضل سے ان کو ملا تھا جس سے اس کمال تک پہنچ گئے جس کو دنیا کی آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں بلکہ دنیا نہیں چاہتی کہ اس نور کا ایک ذرہ بھی پرتوہ ان کے دلوں پر پڑے۔ باوا صاحب ایسے وقت میں ظہور فرما ہوئے تھے کہ جب ہندوؤں کی روحانی حیات بالکل بے حس و حرکت ہوگئی تھی۔ بلکہ اس ملک میں مسلمانوں میں سے بھی بہت سے لوگ صرف نام کے ہی مسلمان تھے اور فقط ظاہر پرستی اور رسوم میں مبتلا تھے۔ پس ایسے وقت میں خدا تعالیٰ نے باوا صاحب کو حق اور حقیقت طلبی کی روح عطا کی جبکہ پنجاب میں روحانیت کم ہو چکی تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بلاشبہ ان عارفوں میں سے تھے جو اندر ہی اندر ذات یکتا کی طرف کھینچے جاتے ہیں۔ اگرچہ ہمیں ان کی ابتدائی زندگی کے حالات اچھی طرح معلوم نہیں۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ ان کا خاتمہ ایک ایسے صراط مستقیم پر ہوا جس کے رو سے ہر یک مومن متقی پر فرض ہے کہ ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھے اور پاک جماعت کے رشتہ میں ان کو داخل سمجھے افسوس کہ آریوں کے پنڈت دیانند نے اس خدا ترس بزرگ کی نسبت اس گستاخی کے کلمے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں لکھے ہیں جس سے ہمیں ثابت ہو گیا کہ درحقیقت یہ شخص سخت دل سیاہ اور نیک لوگوں کا دشمن تھا۔ کاش اگر وہ باوا صاحب کا چیلہ نہ بن سکا تو بارے یہ تو چاہئے تھا کہ بلحاظ ایک مقتدائے قوم کے ان کی عزت کا لحاظ رکھتا مگر ایسے جاہلوں کا ہمیشہ سے یہی اصول ہوتا ہے کہ وہ اپنی بزرگی کی پٹری جمنا اسی میں دیکھتے ہیں کہ ایسے بزرگوں کی خواہ نخواہ تحقیر کریں۔ اس ناحق شناس اور ظالم پنڈت نے باوا صاحب کی شان میں ایسے سخت اور نالائق الفاظ استعمال کئے ہیں جن کو پڑھ کر بدن کانپتا ہے۔ اور کلیجہ منہ کو آتا ہے اور اگر کوئی باوا صاحب کی پاک عزت کے لئے ایسے جاہل بے ادب کو درست کرنا چاہتا تو تعزیرات ہند کی دفعہ ۵۰۰ اور ۲۹۸ موجود تھی۔ مگر نہ معلوم کہ غیرت مند سکھوں نے ایسے یاوہ گو کی گوشمالی کے لئے کیوں عدالت سے چارہ جوئی نہ کی۔ غالباً انہوں نے عمداً حلم اور برداشت کو قرین مصلحت سمجھا یا اب تک دیانند کی بدزبانیوں کی خبر ہی نہیں معلوم ہوتا ہے کہ دیانند نے باوا صاحب کے حالات کو اپنے نفس پر خیال کر لیا۔ چونکہ برہمن لوگ جو چار حرف سنسکرت کے بھی پڑھ جاتے ہیں پرلے درجہ کے متکبر اور ریاکار اور خودبین اور نفسانی اغراض سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور نیز بباعث گم گشتہ طریق اور غبی ہونے کے نادان بھی پرلے سرے کے اس لئے اس نے باوا صاحب کے حالات کو اپنے نفس کے حالات پر قیاس کر کے بکواس کرنا شروع کر دیا۔ اور اپنے خبث مادہ کی وجہ سے سخت کلامی اور بدزبانی اور ٹھٹھے اور ہنسی کی طرف مائل ہو گیا۔ اس لئے ہر یک محقق جو باوا صاحب سے محبت رکھتا ہے کہ سچے واقعات کے اظہار سے اس کی پردہ دری بھی کرے۔ اور صاحبو ہم اس بات کے کہنے سے ہرگز رک نہیں سکتے کہ جو حقیقی معرفت کا حصہ باوا صاحب کو ملا تھا اس سے یہ خشک دماغ پنڈت بکلی بے نصیب اور بے بہرہ تھا۔ ہریک کو یہ مان لینا ضروری ہے کہ باوا صاحب کو اس لطیف عقل میں سے عنایت ازلی نے حصہ دے دیا تھا۔ جس کے ذریعہ سے انسان روحانی عالم کی باریک راہوں کو دیکھ لیتا اور اس حق ذات کی محبت میں ترقی کرتا اور اپنے تئیں ہیچ اور ناچیز سمجھتا ہے مگر کیا اس عقل سے اس پنڈت کو بھی کچھ حصہ ملا تھا۔ ہرگز نہیں۔ اس کی کتابوں کے دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نہایت ہی موٹی سمجھ کا آدمی اور بااین ہمہ اول درجہ کا متکبر بھی تھا۔ باوا نانک کی طرف جو تعلیمیں منسوب کی جاتی ہیں ان میں سے ٹھیک ٹھیک ان کی تعلیم وہی ہے جو توحید اور ترک دنیا پر مشتمل ہے اور جو مشرکانہ خیالات یا کہانیاں اور خلاف حق باتیں ہیں۔ وہ ان کی طرف ہرگز منسوب نہیں ہو سکتیں۔ ہم کو اقرار کرنا چاہئے کہ باوا صاحب نے اس سچی روشنی پھیلانے میں جس کے لئے ہم خدمت میں لگے ہوئے ہیں وہ مدد کی ہے کہ اگر ہم اس کا شکر نہ کریں تو بلاشبہ ناسپاس ٹھہریں گے۔ یہ بات ہمیں تخمیناً تیس برس کے عرصہ سے معلوم ہے کہ باوا صاحب الٰہی دین کے ایک پوشیدہ خادم تھے اور ان کے دل میں ایک سچا نور تھا جس کو انہوں نے نااہلوں سے چھپا رکھا تھا۔ ان کے دل میں ان باتوں کا ایک گہرا یقین ہو گیا تھا کہ دنیا میں ایک اسلام ہی مذہب ہے جس میں خدائے واحد لاشریک کی وہ تعظیم اور وہ ثنا ہے کہ جو اس کے افعال کی عظمت پر نگاہ کر کے اس کے لئے واجب ٹھہرتی ہے اور ایسا ہی وہ پاک اور صاف صاف توحید ہے جس پر صحیفہ قدرت گواہی دے رہا ہے ان کے دل میں یہ بھی یقین ہو گیا تھا کہ قرآنی تعلیم ایسے احکام پر مشتمل ہے جن کا ماننا ایک نیک انسان بن جانے کو لازم پڑا ہوا ہے مثلاً جو شخص شراب خواری سے جو شہوت رانی اور عیاشیوں کی جڑھ ہے رک جائے قمار بازی سے دست بردار ہو اور عورت مرد کے ناجائز میل جول حتی کہ ایک دوسرے پر نظر ڈالنے سے کنارہ کش ہو اور حرام خوری اور رشوت اور سود خوری سے پرہیز کرے اور ناانصافی اور جھوٹ او

رغرور اوراسراف اور دنیاپرستی اور خود غرضی اور حرام کاری اور ریاکاری سے دور رہے اور عبادت اور محبت الٰہی میں سرگرم ہو اور اپنے دن رات کو ذکر الٰہی سے معمور رکھے اور صلہ رحم اور مروت اور ہمدردی بنی نوع اس کی عادت ہو اور توحید اور لا الہ الا اللہ اس کا مذہب ہو اور خدا تعالیٰ کو ہر یک فیض کا مظہر جانے نہ کہ روحوں کو مع ان کی تمام قوتوں کے اپنے وجود کا آپ خدا سمجھے اوراس غیر مرئی اور غیب الغیب اور غیر محدود طاقتوں والے خدا پر ایمان لاوے جس کے پکڑنے اور مصلوب کرنے کے لئے کسی دشمن کے ہاتھ لمبے نہیں ہوسکتے اور نیز زنا اور بے حیائی اور دیوثی سے مجتنب ہو اور پرہیز گاری اور جوان مردی کے اعلیٰ مراتب پر قائم ہو بلکہ اس کے مذہب میں کسی ناجائز محل شہوت پر دیکھنا بھی حرام ہو کہ تا دل ناجائز خیالات میں مبتلا نہ ہو جائے اور آخرت کو دنیا پر مقدم رکھے اور حق اللہ اور حق العباد میں ایک ذرہ فتور نہ کرے جیسا کہ یہ سب تعلیمیں قرآن میں موجود ہیں۔ تو اس میں کیا شک ہے کہ وہ ایک نیک اور موحد انسان بن جائے گا۔ مگر کیا کسی دوسرے مذہب کی کتاب نے التزام اور تکمیل سے ان تعلیموں کو لکھا ہے ہر گز نہیں۔ پس یہ وہی بات تھی جو باوا صاحب کے حق پسند دل پر کھل گئی اور انہوں نے دیکھ لیا کہ کتاب اللہ صرف قرآن ہی ہے۔ اور باقی سب کتابیں تاریکی میں پڑی ہوئی ہیں۔ لہٰذا اسلام کی پاک روحانیت ان کے دل میں گھر کر گئی۔ او رنہ صرف اسی قدر بلکہ انہوں نے اس کے نمونے بھی دیکھے او راس پاک نبی سے آسمانی نور حاصل کرنے والے ستاروں کی طرح چمکتے ہوئے مشاہدہ بھی کئے اور درحقیقت یہ سب اسلام کے حقیقی اور روحانی حسن کا نتیجہ تھا کہ جس کی زبردست کششوں نے باوا صاحب جیسے صاف باطن رشی کو اس پاک دین کی طرف جھکا دیا۔ برخلاف اس کے جب باوا صاحب نے ویدوں کی تعلیم اور ان کے پیروؤں پر نظر ڈالی تو وہاں بالکل اس پاک تعلیم کے برخلاف پایا وہ ویدوں سے کوئی برکت حاصل کرنے سے بکلی نومید ہو گئے۔ اور صاف طور پر انہوں نے بار بار گواہی دی کہ وید روحانی برکتوں سے خالی ہیں چنانچہ ان گواہوں میں سے ایک یہ شعر بھی ہے۔ جس پر دیانند نے بہت ہی سیاپا کیا اور ناحق ایسے بزرگ کو گالیاں دی ہیں جس کی نظیر اس کے بزرگوں میں ایک بھی نہیں اور وہ شعر جس کے سننے سے دیانند جل گیا یہ ہے۔

'وید پڑھت برہما مرے چاروں وید کہانی'

''سادھ کی مہما وید نجانی''

یعنی برہما بھی ویدوں کو پڑھ کر مر گیا اور حیات جاودانی حاصل نہ کی۔ چاروں وید سراسر کہانی اور محض یاوہ گوئی ہے جن میں کچھ بھی ودیا نہیں۔ اور وہ استت اور مہما پر میشر کی جو عارف بیان کیا کرتے ہیں۔ اور وہ خوبیاں ایشر کی جو سچوں کو معلوم ہوتی ہیں ویدوں کو ان کی کچھ بھی خبر نہیں۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ ایسے کلمات باوا صاحب کیوں منہ پر لائے تو اسکا جواب یہ ہے کہ چونکہ باوا صاحب نے وید کو اس کی واقعی رنگت میں دیکھ لیا تھا اور انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ ویدوں میں بجز آفتاب پرستی اور عناصر پرستی اور ناپاک رسموں کے اور کچھ بھی نہیں۔ اور وہ خوب جانتے تھے کہ جو کچھ اس ملک میں اس قسم کی شرک پائی جاتی ہیں۔ ان تمام گندی نالیوں کا اصل مبدا وید ہی ہے۔ اور وہ حق گوئی کی راہ میں ایسے دلیر تھے کہ سچ کہنے کے وقت کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ اس لئے ایسے شعر اُن کے منہ سے نکل گئے۔ اور بلاشبہ یہ بات صحیح ہے کہ ان کو دیانند کی نسبت زیادہ اور وسیع تجربہ ویدوں کے بارے میں حاصل تھا۔ اور سچے گیان سے ان کا دل بھر گیا تھا کیونکہ دینی امور میں سچا اور پاک تجربہ اسی کو حاصل ہوتا ہے جو سچے دل سے خدا تعالیٰ کو ڈھونڈتا ہے اور ہر یک پکش بات کو پلید چولہ اپنے پر سے اتار کر ایک پاک چولہ انصاف اور حق جوئی کا پہن لیتا ہے تب باوا صاحب کی طرح آسمانی چولا اس کے لئے اترتا ہے جس پر پاک کلام قدرت سے لکھا ہوا ہوتا ہے۔ مگر دیانند نے نہ چاہا کہ اس پلید چولے بخل اور تعصب کو اپنے بدن پر سے دفع کرے۔ اس لئے پاک چولا اس کو نہ ملا اور سچے گیان اور سچی ودیا سے بے نصیب گیا۔ باوا صاحب نے جوانمردی سے سفلی زندگی کا چولا پھینک دیا۔ اس لئے وہ آسمانی چولا ان کو پہنایا گیا۔ جس پر قدرت کے ہاتھ نے گیان اور معرفت کی باتیں لکھی ہوئی تھیں اور وہ خدا کے منہ سے نکلی تھیں۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ جس زبان پر باوا صاحب نے پرورش پائی تھی۔ وہ زبان ویدک سنسکرت سے بہت ہی ملتی تھی۔ اور دراصل وہ تھوڑے تغیر کے بعد ویدک سنسکرت ہی تھی۔ جیسا کہ ہم نے کتاب منن الرحمن میں تحقیق اَلسنہ کے تقریب میں بہت وضاحت کے ساتھ اس مطلب کو لکھا ہے۔ لہٰذا باوا صاحب کو وید کے پڑھنے میں بہت ہی آسانی تھی گویا انہیں کی زبان میں وید تھا۔ اس لئے جو کچھ ان کو وید کی اصل حقیقت جاننے میں بہت کچھ موقعہ ملا اور ساتھ اس کے عارفانہ طبیعت کی زیرکی نے بھی مدد دی۔ یہ موقعہ ایسے پنڈت کو کہاں مل سکتا تھا جو ناحق کے تعصب اور فطرتی غباوت میں غرق تھا۔ اور دیانند کا نربھو کے لفظ کو پیش کرنا کہ دراصل یہ نربھے ہے اور اس سے باوا

صاحب کی جہالت ثابت کرنا نہایت سفلہ پن کا خیال ہے کیونکہ باوا صاحب کا اس کتاب میں ویدک سنسکرت پیش کرنا ارادہ نہ تھا۔ افسوس کہ اس زود رنج پنڈت نے ایک ادنیٰ لفظی تغیر پر اس قدر احمقانہ جوش دکھلایا حالانکہ جائز تھا کہ باوا صاحب نے دراصل نر بھے ہی لکھا ہو اور پھر سہو کاتب سے نر بھو ہو گیا ہو۔ اگر اس قدر سہو کاتب ماننے کے لائق نہیں اور خواہ نخواہ باوا صاحب کو ہی ملزم کرنا ہے تو پھر دیانند کے پاس اس بات کا کیا جواب ہے جو اس نے اپنی پہلی ستیارتھ پرکاش میں بہت سے امور کو اپنے مذہب کی تعلیم قرار دیا اور جب چاروں طرف سے اعتراض اٹھے۔ اور جواب بن نہ پڑا تو یہ بہانہ بنایا کہ یہ میرا مذہب نہیں یہ کاتب نے آپ لکھ دیا ہوگا۔ اب کوئی سوچے کہ کاتب تو صرف ایک لفظ یا دو لفظ کو کم و بیش کر سکتا ہے۔ نہ یہ کہ کئی ورق کاتب اپنی طرف سے لکھے اور وہ چھپ بھی جائیں اور دیانند کو خبر نہ ہو۔ پس یہ بھی ایک باوا صاحب کی کرامت ہے کہ دیانند نے ایک لفظ کا ان پر الزام دینا چاہا اور خود اس پر کئی ورقوں کا الزام آگیا۔ علاوہ اس کے باوا صاحب کو حقائق سے بحث اور غرض تھی وہ ناچیز برہمنوں اور کم ظرف پنڈتوں کی طرح صرف الفاظ پرست نہیں تھے۔ اور غالباً وہ ان لفظی نزاعوں میں جو برہمنوں کے فرقوں میں ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں ہوا کرتی ہیں کبھی نہیں پڑے۔ اور نہ اس جنس کے سفلی خیالات کی ان کے روح میں استعداد تھی۔ دیانند کو باوا صاحب کی تحقیر کے وقت شرم کرنی چاہئے تھی کیونکہ وہ خود ایسے موٹے خیالات اور غلطیوں میں گرفتار تھا کہ دیہات کے گنوار بھی اس سے بمشکل سبقت لے جاسکتے تھے۔ دیانند نے باوا صاحب کی باتوں پر انصاف کی نظر سے غور نہیں کی۔ اور اپنے نہایت درجہ کے بخل سے ان کے معارف کو چھپانا چاہا۔ اس کی بات بات سے یہ ٹپکتا ہے کہ اس نے نہ صرف بخل اور حق پوشی کی راہ سے بلکہ شرارت سے بھی ایک ناجائز حملہ باوا صاحب پر کیا ہے۔

وفات و نزولِ مسیح

حضرت مولانا محمد علیؒ

وفاتِ مسیح اور نزولِ مسیح یہ دو مسائل ایسے ہیں جن کو ایک معمولی طور پر لکھا پڑھا مسلمان بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے لیکن کیا عام مسلمان اور کیا علماء اور کیا وہ لوگ جو مغربی تعلیم کے زیر اثر ہیں۔ ان مسائل کی طرف سنجیدگی سے نظر اٹھانے کی پرواہ تک نہیں کرتے اس میں شک نہیں کہ یہ دونوں مسائل فروعی مسائل میں داخل ہیں اسلام کے اصولی مسائل نہیں۔ لیکن مسلمانوں کی لاپرواہی کی وجہ سے یہ دونوں عقائد آج عیسائیت کی قوت اور اسلام کی کمزوری کا موجب بنے ہوئے ہیں اور عیسائی بڑے زور سے پروپیگنڈا کر رہے ہیں۔ جس کا عام مسلمان جواب دینے سے عاجز ہیں کہ تمہارے عقائد کے مطابق حضرت مسیح دو ہزار سال سے مع جسد عنصری آسمان پر زندہ موجود ہیں، کھانے پینے کے محتاج نہیں اور حوائج بشری سے بلند اور تغیرات بشریٰ سے پاک ہونے کی وجہ سے خدا کی صفات میں شریک ہیں اور آخری زمانہ میں وہی آکر مسلمانوں کی نجات کا ذریعہ بنیں گے۔ اور پھر وہ یہ کہہ کر قرآن شریف پر بھی حملہ کرتے ہیں کہ یہی تعلیم قرآن شریف کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے جب پہلی مرتبہ یہ ٹریکٹ لکھا تو اس کا نام میں نے "عیسویت کا آخری سہارا" تجویز کیا تھا۔ آج اس پر پچیس سال گذر چکے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان اپنے چھوٹے چھوٹے جھگڑوں میں الجھے ہوئے دین اسلام کی اہم ضروریات سے اسی طرح غافل ہیں۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ خواہ سو قسم کے نئے مذاہب دنیا میں پیدا ہو گئے ہوں مگر وہ تمام مذاہب کسی ایک قوم یا ایک ملک کے ایک حصہ تک محدود ہیں اور قبولیت عامہ کے لحاظ سے یا دنیا کی اکثریت میں مقبول ہونے کے لحاظ سے اصل مقابلہ صرف اسلام اور عیسائیت کا ہے اور مسلمان علماء کی لاپرواہی کی وجہ سے عیسائیت مسلمانوں کے ان دونوں عقائد سے کہ حضرت مسیح دو ہزار سال سے چوتھے آسمان پر زندہ ہیں اور آخری زمانہ میں وہی آسمان سے اتر کر مسلمانوں کی نجات کا ذریعہ ہوں گے، مسلمانوں کے فرزندوں کو گمراہ کر رہی ہے۔

جہاں تک وفاتِ مسیح کا سوال ہے آج بہت سے علمائے اسلام اس بات کے قائل ہو چکے ہیں۔ بڑے بڑے علمائے مصر اس کے کھلے طور پر قائل ہیں اور اپنی کتابوں میں اس کا ذکر اعلانیہ بھی کر دیتے ہیں لیکن ہندوستان کے چوٹی کے علماء باوجود وفاتِ مسیح کے قائل ہونے کے عوام الناس سے اس قدر ڈرتے ہیں کہ وہ علی الاعلان یہ نہیں کہہ سکتے حالانکہ ان کا بھی ایمان یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ فوت ہو چکے ہیں۔ ان میں ایسے ایسے بزرگ ہیں جن کی تصنیفات ہزارہا صفحات تک پہنچی ہوئی ہیں جنہوں نے قرآن کریم کی تفسیریں لکھی ہیں جو قرآن کریم کا درس دیتے ہیں مگر وفاتِ مسیح کے مسئلہ کو گول مول کر جاتے ہیں۔ کیا یہ خدا کے خوف کے مقابلہ میں

لوگوں کا خوف نہیں؟ ایسے علماء مسلمانوں کی اصلاح کبھی نہیں کر سکتے۔ اور درحقیقت علماء کی یہ بزدلی ہی مسلمانوں کے پستی میں رہنے کا ایک بڑا بھاری سبب ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ حیات مسیح کے اعتقاد سے عیسائیت کو قوت اور اسلام کو ضعف پہنچ رہا ہے۔ مگر مردِ میدان بن کر مسلمانوں کو اس غلطی سے باہر نہیں نکالتے اور عیسائیت کے حملے سے انہیں نہیں بچاتے اور اس طرح جو مسلمان عیسائیت کے پھندے میں پھنس جاتے ہیں۔ ان کے اس گناہ کا بوجھ ایک حد تک ان علماء پر بھی ہے جو باوجود یہ جانتے کہ بروئے قرآن کریم حضرت عیسیٰ وفات شدہ ثابت ہوتے ہیں صرف اس لئے خاموش ہیں کہ انہیں لوگ برا کہیں گے۔

ایسی ہی یا اس سے بھی بڑھ کر بزدلی نزول مسیح کے مسئلے میں دکھائی جاتی ہے بہت لوگ اس طرح اپنا پیچھا چھڑانا چاہتا ہیں کہ ہمارا دین ناقص نہیں کہ ہم نزولِ مسیح کے محتاج ہوں۔ یہ بات بھی محض اس لئے کہی جاتی ہے کہ لوگوں کی زبان سے بچے رہیں نزول مسیح آخر ہمارے دین کا ایک مسئلہ ہے جس کا ذکر کھلے الفاظ میں صحیح ترین احادیث نبویؐ میں پایا جاتا ہے اور اس کے ماننے سے دین ناقص نہیں ہو جاتا۔ کیا امام بخاری اور مسلم اور دیگر بلند پایہ محدثین نعوذباللہ دین کو ناقص سمجھتے تھے کہ ان احادیث کے مجموعوں میں نزول مسیح کا ذکر پایا جاتاہے یا کیا آج تک تمام آئمہ دین اور جمہور اہل اسلام دین کو ناقص سمجھتے تھے کہ نزول مسیحؑ کے قائل رہے ہیں۔ دین تو یقیناً کامل ہے مگر افسوس یہ ہے کہ یہ علماء اس کامل دین کے ایک حکم کو درخور اعتنانہ سمجھ کر اسے ناقص بنارہے ہیں۔ اسلام کامل ہے اور اس کامل مذہب میں یہ بات بھی داخل ہے کہ صدی کے سر پر مجدد آتے رہیں گے جو ایمان کو زندہ کریں گے اور اسلام کو قوت پہنچائیں گے اور اس کامل مذہب میں ہی یہ بات بھی داخل ہے کہ اسلام کو قوت پہنچانے کے لئے مسیح کا نزول ہو گا اس کی طرف توجہ نہ کرنا اور اس کی پرواہ نہ کرنا ایک عظیم الشان اسلامی مسئلہ کی تحقیر ہے ایسے لوگ جو اس مسئلہ کی طرف توجہ نہیں کرتے یا اپنے آپ کو اتنا بلند مرتبہ دیتے ہیں کہ انہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی بھی پرواہ نہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجدد آئیں گے۔ یہ کہتے ہیں ہم انہیں نہیں مانتے کیونکہ ہمارا دین کامل ہے آپ فرماتے ہیں دجال کی ہلاکت اور یاجوج ماجوج کے غلبہ کو دور کرنے کے لئے مسیح نازل ہوں گے۔ یہ کہتے ہیں ہمیں مسیح کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ ہمارا دین کامل ہے۔ اصل میں ایسے لوگ دین کے کامل ہونے کے قائل نہیں وہ اپنے خیالات کے کامل ہونے کے قائل ہیں جو شخص دین کے کامل ہونے کا قائل ہو گا وہ اس کے ہر حکم کے سامنے سر جھکائے گا۔ نزولِ مسیح کے ذکر سے حدیثیں بھری پڑی ہیں۔ مسیح کا آنا اس لئے ضروری ٹھہرایا گیا کہ دجال اور یاجوج ماجوج کے فتنے کو دور کرے دجال ظاہر ہو چکا یاجوج ماجوج دنیا پر غالب آچکے من کل حدب ینسلون کی تفسیر عملی رنگ میں ہو چکی مسلمان خود مان چکے کہ دجال آچکا ہے اور یاجوج ماجوج کا غلبہ دنیا پر ہو چکا۔ آج کون مسلمان ہے جو اس حقیقت سے انکار کر سکتا ہے علامہ اقبال بھی صاف طور پر سناگئے۔

کھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام
چشم مسلم دیکھ لے تفسیر حرفِ ینسلون

آج چاروں طرف مسلمانوں کی زبانوں پر یہ ہے کہ یہ دجال ہے اور یہ خرِ دجال ہے۔ اور یہ مغربی اقوام ہی وہ یاجوج اور ماجوج ہیں جن کے تمام بلندیوں پر غالب آجانے کی خبر قرآن کریم نے دی تھی۔ اس اعتراف سے آج مسلمانوں پر اتمام حجت ہو چکا کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ خبر بھی پوری ہو چکی کہ ان فتنوں کے وقت اس امت میں ایک مسیح بھیجا جائے گا لیکن اس مقام پر آکر ہمارے مسلمان بھائی اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ کیا وہ مسیح اسرائیلی کے انتظار میں ہیں کہ وہ آسمان سے اترے گا۔ وہ یاد رکھیں کہ بڑے سے بڑے ہندوستان کے علماء، مصر کے علماء، شام کے علماء اس بات کے قائل ہو چکے کہ مسیح اسرائیلی نہیں آسکتا کیونکہ وہ مسیح بروئے قرآن وحدیث فوت ہو چکا ہاں اس امت کے اندر مسیح اسرائیلی آ بھی نہ سکتا تھا کیونکہ وہ نبی تھا اور کوئی نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہیں آسکتا تو میں اپنے مسلمان بھائیوں سے یہ گذارش کرتا ہوں کہ وہ خدا کے لئے اس بات پر غور کریں کہ کیا اعلیٰ سے اعلیٰ پایہ کی صحیح احادیث میں جو مسیح کے آنے کا وعدہ ہے وہ کس طرح غلط ہو گیا۔ جب انہی احادیث میں جو دوسرا وعدہ خروج دجال اور غلبہ یاجوج ماجوج کا تھا وہ ہماری آنکھوں کے سامنے پورا ہو گیا۔

اس امت میں آنے والا مسیح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی شاگرد ہی ہونا چاہئیے تھا اس امت کا کوئی مجدد ہی ہونا چاہئیے تھا جس کا نام مسیح اس لئے رکھا گیا کہ اسے فتنہ مسیحیت کو دور کرنے کے لئے کھڑا کیا جاتا تھا۔ سو خدا کا وعدہ پورا ہو چکا وہ مسیح ظاہر ہو چکا اس کے آنے کے

ساتھ تاریخ اسلام میں ایک نیا باب کھل گیا۔ مغرب میں تبلیغ اسلام کی بنیاد رکھی گئی گویا مغرب سے آفتاب اسلام کا طلوع ہو گیا اور وہ نشان بھی کھلے طور پر پورا ہو گیا جو مسیح کے آنے کے ساتھ ظاہر ہونا تھا کہ آفتاب مغرب سے نکلے گا سو آج اسلام کی روشنی سے مغرب بھی منور ہونا شروع ہو گیا اس نور کو پھیلانے کے لئے تبلیغ اسلام کے اس عظیم الشان نئے کام کو قوت دینے کے لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس مجدد اور اس امت کے مسیح کا ساتھ دے۔

اس مختصر سے رسالہ میں میں نے ان دونوں مسائل پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے اور میں اپنے جملہ مسلمان بھائیوں سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنے خیالات کو چھوڑ کر قرآن وحدیث کی رہنمائی کو قبول کریں جن باتوں کو قرآن وحدیث نے صاف کر دیا ہے ان کے سامنے سر جھکانا ہر مسلمان کا فرض ہے اور پھر جب اس عظیم الشان کام کی بنیاد بھی رکھ دی گئی ہے یعنی مغرب میں اسلام پھیلنا شروع ہو گیا اور اسلامی صداقتوں کے سامنے بھی مغرب کے سر جھکنے شروع ہو گئے تو اب یہ ایک گناہ عظیم ہے کہ اس کام کو قوت دینے کی بجائے اس کی مخالفت کی جائے کیا یہ صحیح نہیں کہ جس کام کی طرف تیرہ سو سال تک مسلمانوں کی توجہ نہ ہوئی یعنی یورپ میں اسلام کا پیغام پہنچانا حالانکہ اس یورپ کے بڑے بڑے حصے ان کی حکومت کے نیچے صدیوں تک رہے اس کام کی طرف اس شخص نے قدم اٹھایا جو اپنے آپ کو ان پیشگوئیوں کا مصداق کہتا ہے ،اور ایسا مضبوط قدم اٹھایا کہ وہ یورپ جو اسلام کو مٹانے کے لئے اٹھا تھا آج خود وہاں عیسائیت کمزور ہو رہی ہے

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور (شاخ ہندوستان) کا نئی دہلی میں نیا تعمیر شدہ مرکز

اور اسلام پھیلتا چلا جا رہا ہے۔ سینکڑوں لوگ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں اور ہزار ہا اسلام کے قریب آ گئے ہیں۔ اور پھر آج اسی یورپ سے یہ آواز اٹھ رہی ہے کہ یورپ کی مادی تہذیب اسلام کی روحانی تہذیب کے سوائے زندہ نہیں رہ سکتی اور ہمارے مسلمان بھائی ناحق کے عناد اور بغض کو اپنے دلوں سے دور کر کے اس مسیح کا ساتھ دیں تو وہ اپنی آنکھوں سے یورپ میں اسلام کے غلبہ کا نظارہ بھی دیکھ لیں۔ خدا کے اس وعدہ کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا

مسلمانوں کا نصب العین بلند کر دینے سے قوم میں اتحاد پیدا کیا

حضرت ڈاکٹر بشارت احمدؒ

قوم کو حکومت اور عزت حاصل کرنے کے لئے تعمیر قومی اور اس کے اندر امید و یقین پیدا کرنے کے ساتھ ہی جس چیز کی ضرورت ہوا کرتی ہے وہ اس کے افراد کا باہمی اتحاد اور نظام ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے مسلمانوں کو یہ بتا کر کہ ایک مسلمان کا نصب العین فقط لا الٰہ الا اللہ یعنی اعلائے کلمۃ اللہ کے ذریعہ خدا کی بادشاہی اور اس کے جلال کو قائم کرنا ہے ان کے نصب العین کو اس قدر بلند کر دیا کہ اگر اس پر ان کا عمل ہو جائے تو آپس کے تمام فروعی جھگڑے اور مناقشات ختم ہو کر آج قوم میں وحدت و اتحاد پیدا ہو جاتا ہے اور وہ دشمنان اسلام کے مقابلہ میں کانہم بنیانٌ مرصوص کی طرح دوش بدوش کھڑے ہو کر جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں چنانچہ جن مسلمانوں نے حضرت مرزا صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی ان کا نصب العین جب خدا کی بادشاہی کو قائم کرنے کے لئے دعوت و تبلیغ کے رنگ میں جہاد ہو گیا تو آپس کے تمام فروعی جھگڑے ان میں یک قلم موقوف ہو گئے ان کے اندر نہ شیعہ و سنی کا جھگڑا باقی رہا نہ مقلد و غیر مقلد کا تنازعہ سب آپس میں بھائی بھائی بن گئے ایک حقیقی طبیب روحانی کا یہی تو کمال ہوتا ہے کہ وہ مرض کی تشخیص صحیح طور پر کر کے ایسا حتمی علاج تجویز کرتا ہے جو خدا کے فضل سے خالی نہیں

جاتا۔

یہ نصب العین کا بدل دینا ایک ایسا کارگر علاج ہے کہ اگر ساری مسلمان قوم اس پر عامل ہو جائے تو تمام تفرقے مٹ کر ساری قوم ایک ہو سکتی ہے ان کو سمجھ آسکتی ہے کہ ہم کن لغو جھگڑوں میں پڑے ہوئے ہیں اصل مقصد تو ایک مسلمان کی زندگی کا یہ ہے کہ وہ خدا کے جلال اور اس کی بادشاہی کو قائم کرے یہ اختلاف آرا تو جب تک دنیا قائم ہے باقی رہے گا پس چاہیئے کہ اختلاف آراء کی عزت کی جائے اور اسکی وجہ سے ایک دوسرے کو کافر اور برا نہ کہا جائے بلکہ آپس میں محبت اور پیار سے بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کی غلط فہمی کو مٹایا جائے اور چاہیئے کہ سب آپس میں متحد و متفق ہو کر دشمنان اسلام کا مقابلہ کریں تا کہ اسلام کا بول بالا ہو اس طرح یہ فرقہ بندی کی لعنت جو آپس میں مسلمانوں کو ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کے لئے ہمہ وقت تیار رکھتی ہے نہایت آسانی سے مٹ سکتی تھی کیونکہ اس کی وجہ یہی ہے کہ مسلمانوں کا نصب العین اصلی جگہ سے گر کر بہت نیچا ہو گیا ہے وہ بجائے خدا کا جلال ظاہر کرنے اور اس کے نام کو دنیا میں بلند کرنے کے اپنے نفس کی اس قدر پوجا کرنے لگے ہیں کہ جو ان سے ذرا بھی اختلاف رائے رکھے اسے فوراً کافر بنا کر دم لیتے ہیں جب خدا ایک ، قرآن ایک ، رسول ایک ، قبلہ ایک تو وحدت و اتحاد کے لئے اتنی زبردست اور محکم بنیادیں ہوتے ہوئے اختلاف آرا پر ایک دوسرے کو کافر کہنا مسلمانوں کی کس قدر بد قسمتی ہے اور مسلمانوں کے باہمی تفرقوں اور تشتت و افتراق کا یہی واحد سبب ہے اسی لئے حدیث شریف میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جو کسی مومن کو کافر کہتا ہے تو کفر لوٹ کر اسی پر پڑتا ہے یہ سزا اسی لئے تجویز فرمائی تھی تا کہ مسلمانوں میں تکفیر بازی کی لعنت نہ پیدا ہو جس سے قوم میں افتراق و انشقاق پیدا ہوتا ہے لیکن مسلمانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل نہ کیا اور اس کا خمیازہ بھگتا۔ حضرت مرزا صاحب نے جب قوم میں پھر اتحاد و نظام پیدا کرنا چاہا تو نصب العین کے بلند کرنے کے ساتھ ہی اس حدیث پر عمل کو بھی زندہ کیا اور ان مکفرین کے مقاطعہ کا حکم دیدیا جو کسی کلمہ گو اہل قبلہ کو کافر کہتے ہیں یعنی ان سے تعلقات اسلام منقطع کر لئے جائیں جب تک کہ وہ اپنے تکفیر بازی کے مشغلہ سے باز نہ آجائیں۔ حضرت مرزا صاحب نے تو امام ابو حنیفہ کی طرح یہ فرما کر فرقہ بندی کی جڑ پر کلہاڑا رکھ دیا کہ جس میں ننانوے وجوہ کفر کے ہوں اور ایک وجہ اسلام کی ہو اسے بھی کافر نہ کہو اسلام میں سے فرقہ بندی کے مرض کو دور کرنے کا یہی ایک ہی علاج تھا جو حضرت مرزا صاحب نے نہایت عقلمندی کے ساتھ تجویز کیا تھا اگر مسلمان مستعدی سے اس پر عمل کرتے تو آج نہ یہ تکفیر بازی ہوتی اور نہ افتراق و انشقاق۔

جماعت احمدیہ لاہور کی مسجد جموں

ایک تاریخی مسجد جہاں ہمارے بہت سے عظیم بزرگ نماز پڑھتے تھے

جماعت احمدیہ لاہور مرکزی انجمن اور اُن کے خادمان انگلستان کی شراکت سے بیان القرآن کا نیا ایڈیشن ۵ جلدوں میں۔